

پہلے اور دوسرے پارے کا مختصر جائزہ

<"xml encoding="UTF-8?>



پہلے پارے کے چیدہ نکات

(سورہ حمد، سورہ البقرہ)

سورہ حمد

1. خدا کے نام سے ابتدا انتہائی با برکت شئے ہے جس سے تکمیل کار کی ضمانت بھی حاصل ہوتی ہے اور مسلمانوں کی ذہنی تربیت بھی ہوتی ہے کہ کسی کام میں یاد خدا سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور جس کو ہر کام میں خدا یاد رہے گا اس کا کوئی کام قانون خدا کے خلاف نہ ہوگا اور اس کی زندگی میں گناہوں کا گزر نہ ہوگا کہاں میں بسم اللہ حرام کھانے سے پریز، جنسی تعلقات میں بسم اللہ حرام کاری سے پریز، پڑھنے میں بسم اللہ مہمل لٹھیچر کے مطالعہ سے پر ہیز کا سبق دیتا ہے۔

2. رحمان مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی عظیم اور وسیع رحمتوں والا ہے، اس لفظ کا اطلاق عام طور سے خدا کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں ہوتا۔

3. رحیم وہ صفت ہے جس میں دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے یعنی ہمیشہ رحمت اور مہربانی کرنے والا رحمان کے بعد رحیم کے لفظ کو اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس سے عظیم رحمتوں کے دوام کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

4. حمد: مدح سے مختلف چیز ہے جس کے لئے عمل کا اختیاری ہونا ضروری ہے اور چونکہ اختیارِ کل رب العالمین کے ہاتھ میں ہے لہذا واقعی حمد کا استحقاق بھی اسی کے لئے ہے یہ جملہ "الحمد لله" اگرچہ کلام خالق ہے لیکن درحقیقت یہ بندوں کی تربیت کے لیے ہے کہ ہم تعریف کا سلیقہ نہ سکھائیں گے تو انسان ذاتی طور پر تعریف کرنے کے قابل بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ دنیا میں عام طور سے تعریف کے چار اسباب ہوتے ہیں ذاتی کمال، حاصل ہونے والا فائدہ ، فائدہ کی توقع اور خوف؛ اور پروردگار عالم ان چاروں ہی جهات کا حامل ہے وہ اللہ بھی ہے، رب العالمین بھی ہے، رحمان و رحیم بھی ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے، لہذا وہ ہر قسم کی تعریف کا حقدار ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا ایسی تعریف کا حق دار نہیں ہے ہاں وہ خودکسی کو محمد بننا دے تو اور بات ہے۔

5. رب العالمین: عالمین عالم کی جمع ہے یعنی کسی ایک خاص قسم کی مخلوقات یعنی وہ تمام مخلوقات کا خالق بھی ہے اور پروردگار بھی، مخلوقات پیدا ہونے کے بعد بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔

6. مالک: دنیا کے تمام افراد زمانے کے ملک اور بادشاہ ہوتے ہیں مالک نہیں ہوتے اور سب کی ملوکیت بھی دنیا ہی تک محدود رہ جاتی ہے لیکن رب العالمین ملک بھی ہے اور مالک بھی اور وہ بھی روز جزا یعنی روز قیامت کا مالک ہے۔

7. ایاک نعبد: عبادت کے ساتھ لفظ جمع کا استعمال کرنا جسے عام طور سے مقام تعظیم میں استعمال کیا جاتا ہے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انسان میں انانیت اور خود غرضی نہیں پیدا ہونی چاہیے اور اسے سارے بندوں کی طرف سے اظہار بندگی کرنا چاہیے تا کہ جو کچھ بھی حاصل ہو اسے سب میں تقسیم کر دے "ہم" اس لفظ میں انانیت کا شائیبہ تھا لہذا اس کے بعد استعانت کا ذکر کر دیا گیا کہ ہم سب عبادت کرنے میں بھی تیری ہی مدد کے محتاج ہیں ورنہ آقائی کرنا تو بڑی بات ہے ہم عبادت کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔

8. اہدنا: ہدایت کا مسلسل مطالبه اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ صراط مستقیم ایمان و عمل کا مجموعہ ہے اور اس کے مل جانے کے بعد بھی انسان کے لئے ہر آن بھک جانے کا اندیشه رہتا ہے۔

روایات میں ثبات قدم کی تفسیر اسی مسلسل مطالبه کی تعبیر ہے، ورنہ ہدایت کے معنی رینمائی ہی کے ہیں۔

9. انعمت علیہم: یہ لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں صاحبان کردار کی اس قدر اہمیت ہے کہ صراط مستقیم کا تعارف انہیں کے نام سے کرایا جاتا ہے حالانکہ وہ خود صراط مستقیم ہی کے پابند ہیں اور اسی پر چل رہے ہیں۔

10. غیر المغضوب علیهم: یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام میں کوئی بات دونوں پہلوؤں کے بغیر تمام نہیں ہوتی اچھے انسانوں کو اپنایا جائے اور بڑے انسانوں سے نفرت کی جائے۔

11. ولا الضالین: یعنی اسلام میں فقط مستحقِ غضب ہو جانا ہی عیب نہیں ہے جو دیدہ و دانستہ مخالفت کا نتیجہ ہوتا ہے، بلکہ بھک جانا بھی عیب ہے جس کے بعد انسان کا راستہ صراط مستقیم کرے جانے کے قابل نہیں رہ جاتا۔

سورة البقرہ

12. الہ: قرآن مجید کے حروف مقطعات میں پہلا حرف ہے جس کے معنی بظاہر لغت عرب میں موجود نہیں ہیں ، یہ درحقیقت عبد و معبد کے درمیان ایک رمز ہے جس کی تشریح خاصانِ خدا کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔

13. لاریب فیہ: یعنی لوگ تسلیک کی بہت کوشش کریں گے لیکن اس کتاب میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ کتاب ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

14. ہدی للمتقین: ہدایت کا لفظ منزل مقصود تک پہنچا دینے والی ہدایت کی طرف اشارہ ہے جو متقین کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے اور واضح رہے کہ اسلام میں تقویٰ کے لئے ایمان بالغیب کے ساتھ نماز اور انفاق بھی ضروری ہے صرف ایمان کے بھروسے پر تقویٰ حاصل نہیں کیا جا سکتا اور قرآن مجید سے استفادہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے بے شک قرآن مجید ہدایت دے گا لیکن تقویٰ کے بعد، اور تقویٰ ایمان کے ساتھ، یعنی بدنی اور مالی دونوں طرح کی قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے، تقویٰ نہیں ہے تو قرآن کی ہدایت کا فائدہ بھی نہیں ہے، اور یہ قرآن و ابلیبیت کا کمال اتحاد ہے کہ قرآن ہدی للمتقین ہے اور علی امام المتقین ہیقرآن انہیں کو ہدایت دے گا جو مومن، نمازی اور کریم الطبع ہوں اور حضرت علی انہیں کی امامت کریں گے جو انہیں صفات سے متصف ہوں گے ایمان مکمل نہیں ہے تو نہ قرآن کام آئے گا اور نہ اپل بیت سفارش کریں گے جب کہ دونوں ہی ہادی ہیں اور دونوں ہی شفاعت کرنے والے ہیں اور دونوں ہی کا مطالبہ پر بیز گاری کا ہے کہ تم اپنے طور پر پریز گار بنو، پھر اگر غلطی ہو جائے گی تو شفاعت کرنا ہمارا کام ہے بغاوت میں شفاعت نہیں ہوا کرتی۔

15. یقیمون الصلة: یہ تمام ارکان و شرائط اور مکمل پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اشارہ ہے ورنہ نماز کا تذکرہ تو یصلون سے بھی ہوسکتا تھا

16. ممارزقناهم: یہ انسانی ذہن کی اصلاح ہے کہ انسان انفاق کر کے مغرور نہ ہو جائے کہ ہم نے کوئی کام کیا ہے نہیں اس نے اس مال میں سے انفاق کیا ہے جسے خدا نے پہلے بطور رزق دیا ہے پھر انفاق کرتے وقت رزق اور انفاق کے تناسب پریھی نگاہ رکھے کہ خدا نے اسے رزق کتنا دیا ہے اور اس نے اس کی راہ میں کتنا خرچ کیا ہے انسان کا رخیر کرتے وقت اس نکتے کی طرف سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور اپنے عمل کی مقدار کو دیکھنے لگتا ہے کہ ہم نے سب سے زیادہ چندہ دیا ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ خدا نے بھی اسے سب سے زیادہ رزق دیا ہے اور خدا کی عطا کے مقابلہ میں اس کے عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

17. غیب: یوں تو ہر غیر محسوس شئی کا نام غیب ہے جو نگاہوں میں نہیں آتی ہے لیکن ہر غائب پر ایمان لانا ایمان کا جزو نہیں بن سکتا اس سے ایسے امور مراد ہیں جو غائب بھی ہیں اور جزو ایمان بھی ہیں چاہے وہ قیامت کی تفصیلات ہوں یا امامت کے متعلقات۔

18. بما انزل اليك : اس جملہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نہ ماضی سے رابطہ توڑنا چاہتا ہے اور نہ مستقبل سے اس کے نزدیک جس طرح پیغمبر اسلام پر نازل ہونے والے حقائق پر ایمان لانا ضروری ہے اس طرح ماضی میں تمام نازل ہونے والی باتوں پر بھی ایمان لازم ضروری ہے اور آخرت کا ایقان بھی لازم ہے ماضی کا خیال عبرت کا سامان فراہم کرتا ہے اور مستقبل کا لحاظ ذہنی آمادگی کا سبب بنتا ہے۔

19. یوقنون: یہ اشارہ ہے کہ صرف ایمان ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایقان ضروری ہے اور یقین آخرت کے بغیر اصلاح عمل اور انفاق کا کوئی امکان نہیں ہے اور یقین آخرت کے بعد پھر بد عملی اور بخل کا امکان بھی نہیں رہ جاتا ہے۔

20. انسانوں کی تین قسموں کا تذکرہ کیا گیا ہے پہلی قسم میں صاحبانِ ایمان ہیں جن کا ایمان غیب پر ہے اور نماز و انفاق وغیرہ کے پابند ہیں دوسری قسم ان کفار کی ہے جو انتہائی متشدد ہیں کہ ان پر ہدایت کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا ہے، گویا ان کے دلوں پر مهر لگ گئی ہے اور آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں وہ بھرے ہیں کہ آواز سنتے نہیں ہیں گونگے ہیں کہ کلمہ حق نہیں بولتے ہیں اور اندھے ہیں کہ آیات حق کو نہیں دیکھتے ہیں اور ان سے کیا کارِ خیر کی امید نہیں کی جاسکتی ہے تیسرا قسم ان منافقین کی ہے جن میں اتنی ہمت تو ہے کہ بظاہر کفر سے الگ ہو گئے ہیں لیکن دل میں ایسی بیماری باقی رہ گئی ہے کہ اپنے اسلام بی کو فریب دی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں اور اس طرح ان کی بیماری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، یہ اپنے فساد کو اصلاح کا نام دیتے ہیں اور صاحبانِ ایمان کو بیوقوفِ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کافروں سے قطع تعلق کر کے دنیاوی فوائد کے دروازے بند کر لئے ہیں۔

ان تمام تذکروں کا مقصد یہ ہے کہ عالم انسانیت کے سامنے یہ سارے کردار ہیں اور انسان دوسروں کا حساب کرنے کے بجائے اپنا محاسبہ کرتا رہے اور یہ دیکھتا رہے کہ خود اس کی نگاہ میں اس کا شمار کس قسم میں کیا جا سکتا ہے۔

21. منافقین کا اصلی کردار پر دور میں یہی رہا ہے کہ وہ صاحبانِ ایمان سے ایمان و ہدایت کی بات کرتے ہیں اور اپنی جماعت میں استہزا اور مذاق کا حوالہ دیتے ہیں... حالانکہ خدا ان کے استہزا کا جواب اس طرح سے دے رہا ہے کہ ان کا اعتبار نہ اُس جماعت میں ہے اور نہ اس جماعت میں اب وہ ہر آن اپنے دل میں ایک طرح کا چور محسوس کرتے ہیں، اور یہ وہ کرب انگیز کیفیت ہے جس کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جو اس منزل سے گزرا ہو، اس کا اندازہ ہر شخص کو نہیں ہو سکتا، واضح رہے کہ کبھی کبھی صاحبانِ ایمان کو بھی ایسی دہری پالیسی اختیار کرنا پڑتا ہے اور اس کا سامنا کرنا پڑتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ منافق کافر کی جماعت کا آدمی ہوتا ہے اور صاحبانِ ایمان کا مذاق اڑاتا ہے اور مومن ایمانی جماعت کا فرد ہوتا ہے اور کافر کو غلط فہمی میں رکھنا چاہتا ہے جو کامِ اسلامی فوج کی طرف سے جاسوسی یا تقيیہ کے موقع پر انجام دیتا ہے، آیتِ کریمہ پر باقاعدہ غور کرنے سے منافق اور صاحبِ تقيیہ مؤمن کے کردار کا فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

22. آیات میں مختلف مثالوں کے ذریعے منافقین کے کردار کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ منافق کی مثال گویا اس اندھے کی ہے جو چراغ لے کر چلتا ہے کہ دوسرے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ خود بدختی کا مارا ہوا اپنی روشنی سے محروم رہتا ہے، منافقین نے فروغِ اسلام میں ساتھ دیا کہ اسلام کی روشنی ہر طرف پھیل گئی دوسرے ملکوں تک اسلام پہنچ گیا اس کی قوت و شوکت میں اضافہ ہو گیا اس کے گرد ایک مجمع لگ گیا اور پھر خدا نے اس روشنی کو سلب کر لیا کہ نفع کی بنا پر خود اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور انجامِ جہنم ہی ہوا۔

دوسری مثال اس بارش کی ہے جس میں اب رحمت کے ساتھ گرج چمک اندھیرا اجala سب کچھ ہو کہ لوگوں کو خود اپنی موت دکھائی دینے لگے اور خوف کے مارتے کانوں میں انگلی رکھ لیں ذرا روشنی کا سہارا ملے تو آگے بڑھ جائیں اور ذرا اندھیرا چھا جائے تو ٹھہر جائیں اور آخر کار اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے حالانکہ کان بھی موجود ہیں اور آوازیں بھی سن رہے ہیں اور آنکھیں بھی موجود ہیں کہ حقائق دیکھ بھی رہی، اور خدا چاہتا تو ان صلاحیتوں کو سلب کر لیتا لیکن اس وقت جبر کا الزام اس کی ذاتِ اقدس پر آجاتا اس لیے اس نے صلاحیتوں

کو سلب نہیں کیا اور ان کو انہی کے حال پر چھوڑ دیا مذکورہ بالا مثال میں صدر اول کی جس شوکت اسلام کا ذکر کیا گیا ہے اس سے فائدہ نہ اٹھانا انسان کی انتہائی بد بختی کی دلیل ہے، گرج ایسی کہ قیصروکسری کے دل دہل جائیں اور چمک کیسی کے ابولہب اور ابو جہل کی نگاہیں خیر کرنے لگیں، اور اس کے بعد بھی منافقین کو کچھ نہ نظر آئے اور نہ کچھ سنائی دے یہ انتہائی بدنصیبی اور نالائقی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

یہ مثال آج بھی ان صاحبان ایمان کے لئے مرقع عبرت ہے جو کسی مرکزی ہدایت سے قریب تر ہوتے ہیں اور احکام الہیہ کی گرج چمک دیکھتے رہتے ہیں اور اس کے بعد آبائی طریقوں پر جمے رہتے ہیں اور حق کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان کی بدنصیبی دیہات اور جنگل میں رہنے والے مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے اور ان کا کردار منافقین کی زندگی سے کہیں زیادہ عبرت انگیز ہے۔

23. جہنم کی آگ سے بالکل مختلف ہے اسے انسانوں اور پتھروں سے بھڑکایا گیا ہے اور اس میں مجرم بیک وقت سزا یافتہ بھی ہے اور اپنے بھی جس طرح بعض خاصان خدا صاحبِ نعمت بھی ہوتے ہیں اور وسیلے نعمت بھی پابندِ شریعت بھی ہوتے ہیں اور مأخذ شریعت بھی، پتھروں سے مراد وہ پتھر ہیں جن کی پرسنٹش کی گئی ہے کہ بندے اور خدا ایک ہی جگہ ہوں گے۔

24. اعجاز قرآن کے ذیل میں ایک سورہ کا مطالبہ کرنا دلیل ہے کہ سورہ کاتعین پروردگار ہی کی طرف سے تھا اور وقت نزول قرآن ہو چکا تھا اور قرآن از اول تا آخر معجزہ ہے کہ اس کے ایک سورت کا جواب بھی ممکن نہیں ہے اس کے بعد منکرین کی تحدید کرنا بھی علامت ہے کہ حقائق کا انکار صرف انکار نہیں ہوتا اس کا انجام بھی بہت برا ہوتا ہے۔

25. جنت کے پہل دنیا کے مشابہ ہونگے لیکن حقیقت میں بالکل مختلف ہونگے جس طرح کہ جنت کے صاحبان اختیار اور سردار عام انسانوں کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

26. درحقیقت یہ چیز عبرت کا سامان ہے کہ انسان اپنے کو بہت بڑی شئے سمجھتا ہے حالانکہ اس کے بعض اعضاء و جوارح ایک مچھر سے بھی کم ہیں، صاحبان ایمان اس نکتے کو سمجھتے ہیں اور فاسق نہیں سمجھتے ہیں۔

27. قدرت خدا کی طرف اشارہ ہے اور کافروں کو تنبیہ ہے کہ اپنی خلقت اور زمین و آسمان کی عظیم تخلیق کو دیکھنے کے بعد بھی کفر اختیار کرتے ہو یہ انتہائی عجیب و غریب بات ہے۔

28. خلافت الہیہ کا کام خدا نے خود انجام دیا ہے اور اس کا معیار تقوی اور تقدس کے ساتھ علم اسماء کو قرار دیا ہے، ملائکہ کو بھی خدا نے تعلیم دی تھی جس کا انہوں نے خود اقرار کیا ہے لیکن وہ انہیں شخصیات پر منطبق نہ کر سکے، یہ کام بشری صلاحیت کا ہے تو خدا نے اپنے علم کا حوالہ دے کر واضح کر دیا کہ جو آسمان و زمین کے غیب جانتا ہے وہ تمہارے دل کی بات بھی جانتا ہے اور آدم کا مستقبل بھی جانتا ہے، اس کے پہلے مخلوقات نے فساد کیا تھا تو وہ خلیفہ نہیں تھے آدم کو خلیفہ بنا رہا ہوں تو خلیفۃ اللہ مُفسد نہیں ہوتا بلکہ صاحب کردار اور اعلم کائنات ہوتا ہے۔

29. ابليس ایک سجدے کے انکار سے کافر ہوگیا تو مستقل سجدے کو ترک کرنے والوں کا انجام کیا ہوگا؟ اس نکتہ پر ہر صاحب علم و عقل کو غور کرنا چاہیے۔

30. و کلا منها رغداً حيث شئتما: دلیل ہے کہ پابندی جگہ کی تھی کہانے کی نہیں تھی اور چونکہ جناب آدم قریب نہیں گئے لہذا گناہ نہیں پوا، صرف اتنی سی احتیاط لازم تھی کہ کہانے کے بارے میں بھی حکم خدا دریافت کر لیتے اس لئے ترک اولی ہو گیا ورنہ وہ زمین کے خلیفہ تھے تو انہیں زمین پر آتا ہی تھا۔

31. بعضکم لبعض عدو: اس فقرے میں اولاد آدم کی کیفیات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی دنیا میں عداوت فساد تعیش سب ہی کچھ ہوتا ہے۔

32. کلمات: روایات میں "کلمات" سے مراد پنځتن پاک کے اسماء ہیں اور یہ تعجب خیز بات نہیں ہے، یہ حضرات مالک جنت ساقی کوثر اور سرداران جنت ہیں لہذا جنت میں جانے کے لیے ان کے علاوہ کس کا واسطہ درکار ہوگا۔

33. اسرائیل جناب یعقوب کا لقب تھا بنی اسرائیل کے لیے سب سے بڑی نعمت یہ تھی کہ ان کے درمیان بے شمار انبیاء اور رابینما آئے ان سے اطاعت کا عہد لیا گیا اور خدا نے ان سے ثواب کا عہد کیا لیکن ان لوگوں نے اپنے عہد کو پورا نہ کیا اور قرآن کو بھی نہ مانا آنا جو توریت کی مخالفت نہیں بلکہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا۔

34. جو کام توریت میں بنی اسرائیل نے کیا تھا وہی آیات قرآنی کے بارے میں مسلمانوں نے کیا وہ الفاظ نہ بیج سکے تو معانی اور تفسیر و تعبیر کی تجارت شروع کر دی حق و باطل کو مخلوط کر دیا حق پر پردہ ڈال دیا، انجام کار دونوں کا ایک ہی ہے۔

35. یہودیوں کی نماز میں رکوع نہ تھا لہذا رکوع کی دعوت دی گئی اور جماعت کی طرف بھی متوجہ کیا گیا کہ جماعت میں شرکت کا معیار یا اس کی آخری حد رکوع ہے اسکے بعد پھر رکعت شمار نہ ہوگی۔

36. جس کے ذہن میں نماز کا فلسفہ لقاء الہی ہے اور اجر و ثواب کا یقین ہے اس کے لیے صبح دوپہر شام کوئی وقت مشکل نہیں ہے اور خدا ذہن سے نکل جائے تو پھر ہر وقت مشکل ہے۔

37. بنی اسرائیل کی افضلیت ذاتی کردار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان نعمتوں کا اثر ہے جو انبیاء اور مرسیین کی شکل میں دی گئی ہیں کہ سب سے زیادہ انبیاء انہی کے درمیان پیدا ہوئے ہیں کاش یہ ان نعمتوں کی قدر بھی کرتے۔

38. لا یقبل منها شفاعة: نعمت خدا کی ناشکری حق کی پردہ پوشی اور حق و باطل کا امتزاج ہی وہ جرائم ہیں جن کی سزا سے بچانے والا کوئی نہیں ہے آیت شریفہ میں جس شفاعت کا انکار ہے وہ انہی کے ساتھیوں کی شفاعت ہے خاصان خدا کی نہیں کہ وہ ایسے افراد کی سفارش کسی قیمت پر نہیں کر سکتے ہیں۔

39. روایات میں صبر سے مراد روزہ ہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ نماز اور روزوں سے زیادہ طاقت کسی اسلحی میں نہیں ہے اور خدا سے مدد مانگنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے آل محمد علیہم السلام نے

اس قدر نمازیں پڑھیں اور روزہ رکھے کہ وہ خود بھی استعانت کا بہترین وسیلہ قرار پا گئے، اسی لئے روایات میں صبر کو نصف ایمان بتایا گیا اور علی B کو کل ایمان!

40. بنی اسرائیل پر کیے جانے والے احسانات اور ان کی نالائقیوں کا ذکر کیا گیا ہے فرعون اپنی حکومت کو بچانے کے لیے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور لڑکیوں کو خدمت کے لیے زندہ رکھتا تھا، اور اس نے موسیٰ کی قوم کا تعاقب کیا تو ہم نے قوم کو بچالیا اور فرعون کو لشکر سمیت غرق کر دیا لیکن اس کے بعد بھی قوم نے جناب موسیٰ کے کوہ طور پر جاتے ہی دوسرا خدا تیار کر لیا اور سامری کے کہنے میں آگئے پھر بھی ہم نے معاف کر دیا لیکن اس کی بھی قدر نہ کی اور رؤیت کا مطالبہ کر دیا جس پر بجلی گرائی گئی اور پھر زندہ کر دیا کہ اب ہوش میں آجائیں لیکن نہ آئے، اب کا سایت دیا، من و سلوی کی غیبی غذا دی لیکن جب قریے میں داخل ہونے کا وقت آیا تو نہ سجدہ کیا اور نہ ہی حطہ کہا بلکہ حنطہ کہ دیا جبکہ ہم معاف کرنے کے لئے تیار تھے بلکہ ہم تو اضافہ بھی کر دینے والے تھے۔

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ خدا کی نعمتوں کا حاصل ہوجانا فرد یا قوم کا کمال نہیں ہے خدا ایسے نالائق افراد کو بھی ایسی عظیم نعمتیں دے دیتا ہے جن کا عالمین میں جواب نہیں ہوتا، کمال انسانی اس کے تشکر، دست شناسی، توبہ اور سجدہ و استغفار میں ہے جسے بنی اسرائیل نے نظر انداز کر دیا تھا اور بار بار عذاب الہی کے حقدار ہو گئے تھے۔

41. خدا دیکھنے کے قابل نہیں ہے اور نہ کسی بشر میں اس امرکی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے اور جب جناب موسیٰ B جیسا پیغمبر نہ دیکھ سکے تو دوسرا افراد کے دیکھنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

42. بنی اسرائیل اس قدر بے ایمان تھے کہ عملی اتباع تو بڑی بات ہے لفظ حطہ اور مغفرت کو زبان پر نہیں لانا چاہتے تھے اور اس کے بجائے حنطہ کہ دیتے تھے یعنی آخرت کے بجائے دنیا کی نعمتوں کی فکر میں لگے ہوئے تھے یہی وہ طرز عمل تھا جو عذاب الہی کا باعث ہو گیا، دنیا کو آخرت پر مقدم کرنا بدترین طرز عمل ہے۔

43. بظاہر دنیا میں نہ آسمان سے غذا نازل ہوتی ہے نہ عصا مارنے سے چشمہ نکلتا ہے لیکن پروارگار عالم نے اتمام حجت کے لیے یہ سب کچھ کر دیا کہ ہمارے ہو جاؤ تو اقتصادی بائیکاٹ یا معاشی ناکہ بندی کی کوئی فکر نہیں ہے ہم عصا سے چشمہ نکال سکتے ہیں اور فضا سے من و سلوی نازل کر سکتے ہیں۔

44. آیات الہی کا انکار اور مادی غذاؤں کی فکر انسانی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے، جو شخص خدا ئی عطیئے پر اکتفا نہیں کرتا اور ہوس میں پڑ جاتا ہے اور رنگ برنگ کی غذاؤں پر جان دیتا ہے اور پھر ان کا شکریہ ادا نہیں کرتا اس کے حصے میں ذلت اور محتاجی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، دنیوی غذاؤں کا خاصہ ہی یہ ہے کہ جتنی قسمیں زیادہ ہو گی اتنی بی محتاجی زیادہ ہو گی، سادہ غذا انسان خود بھی بہ آسانی فراہم کر سکتا ہے، تلؤں اور تنوع کی فکر ہی اسے محتاج اور ذلیل بنا دیتی ہے۔

45. صرف دعائے ایمان کافی نہیں ہے جب تک واقعی ایمان اور عمل صالح نہ ہو اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ سابق میں غیر مذہب پر ہونا ایمان لانے یا عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا، انسان کفر بھی اپنے اختیار سے اختیار کرتا ہے اور ایمان بھی اپنے ارادے سے اختیار کرتا ہے، پیدائشی طور پر نہ کوئی کافر ہوتا ہے نہ

مسلمان، فطرت اسلام پر پیدا ہونا اور ہے اور مسلمان ہونا اور ہے، ایمان کے ذیل میں صرف اللہ اور آخرت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ایمان بالرسول درحقیقت ایمان بالله ہی کا لازم ہے جس طرح کے ایمان بالامام ایمان بالرسول کا لازم ہے، رسول پر ایمان کے بغیر خدا پر ایمان لانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

46. بنی اسرائیل سے توریت پر عمل کرنے کا عہد لینے کے لیے سر پر کوہ طور لٹکادیا گیا تو انہوں نے عہد کر لیا لیکن پھر بھی عمل نہ کیا، اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیل سکتا ہے، قرآن مجید نے یہ واضح کر دیا کہ جن کو نہیں مانتا ہوتا ہے وہ بہر حال نہیں مانتے ہیں چاہے عذاب الہی سر پر معلق کر دیا جائے۔

47. بظاہر مخالفت بہت معمولی تھی کہ شنبہ کے دن مچھلی کا شکار ممنوع تھا اور وہ جمعہ کے دن گڑھے کھوہ دیا کرتے تھے کہ مچھلیاں اس طرف آجائیں اور انہیں پکڑ لیں، لیکن خدا نے انہیں بندرا بنا دیا کہ اگر تمہیں اس طرح کی ہیرا پھیری آتی ہے تو ہمیں بھی خلقت کو تبدیل کر دینا آتا ہے، خدا کسی بندھے کا محتاج نہیں ہے سب اس کے محتاج ہیں انسانیت کا حق انہی لوگوں کا ہے جو احکام الہیہ کی اطاعت کرتے ہیں باقی سب بند رہیں۔

48. بنی اسرائیل میں لوگوں نے ایک رئیس کو قتل کر دیا تھا کہ اس کا ترکہ تقسیم کر لیں اور دوسرے پر الزام رکھ دیا خدا نے کہا کہ گائے ذبح کر کے اس مقتول کے جسم سے مس کر دو وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا ان لوگوں نے الزام باقی رکھنے کے لیے تا دیر حیلہ حوالہ کیا اور اور بالآخر مجبور ہوئے۔

الزام تراشی کرنے والے حقائق کا سامنا کرنے سے ہمیشہ گہبراتے ہیں اور ان کا نجاح ذلت و رسائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس واقعی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو خدا ایک گائے کے گوشت کو مس کر کے مقتول کو زندہ کر سکتا ہے وہ تقاضائی مصلحت کے بعد انسان کی ٹھوکر سے بھی مردھے کو زندہ کر سکتا ہے، اور گھوارے سے جسم مس کرنے والے کو نئے بال و پر بھی عطا کر سکتا ہے، قدرت خدا سے کوئی شے بعید نہیں ہے، صرف مصلحت کے تقاضے کی ضرورت ہے۔

49. بعض روایات میں ہے کہ ایک عورت کے عقد کا جھگڑا تھا جس کا عقد ایک شخص سے ہو گیا اور اسکے رقبہ نے اسے قتل کر کے دوسرے قبیلے میں لاش پہینک دی اور ہنگامہ شروع ہو گیا آخر میں اتنی بحث ہوئی کہ ایک گائے کی قیمت اس کی کھال کے اندر سما جانے والے سونے کے برابر قرار پائی اور یہ قیمت ایک مرد مومن کو مل گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ رقابت پہلا جرم قتل دوسرا جرم اور اتنی قیمت ادا کرنا تیسرا سزا ہے اور ان سب کا فائدہ ایک دیندار آدمی کو ہوا کہ پورڈگار نیک بندوں کو مختلف طریقوں سے رزق عطا کرتا ہے اور موذیوں کے جھگڑے سے مومنین کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

50. یہودی علماء توریت سے صفات پیغمبر کو نکال کر دوسرے الفاظ رکھ دیتے تھے کہ کہیں مرید ہاتھ سے نکل نہ جائیں، یہودی صفت افراد آج بھی عوام کو قبضے میں رکھنے کے لیے حقائق میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔

51. بعض لوگوں کا ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ کتاب کا مصرف صرف مرادیں پوری کرنا اور ثواب کمانا ہے، عمل و کردار سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، قرآن مجید نے اس طرز تفکر کو یہودی طرز فکر قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے کہ کتاب خدا منت مراد اور فقط تحصیل اجر ثواب کے لئے نہیں ہے اس کا مقصد کردار سازی

ہے اور اجر تو قہری طور پر حاصل ہو ہی جائے گا۔

52. یہ کردار بھی ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے کہ اپنی خانہ ساز باتوں کو خدائی کہہ کر عوام کو دھوکا دیا جائے اور چند پیسے کمائے جائیں حالانکہ اس کا انجام بہت برا ہوتا ہے اور اس پر دیرا عذاب ہوتا ہے۔

53. و اذ اخذنا میثاقکم: یہ عہد ہر دور کے انسان سے ہے کہ آپس میں قتل و خون نہ کیا جائے اور لوگوں کو آوارہ وطن نہ بنایا جائے لیکن کل کے یہودیوں کی طرح آج کے مسلمان عوام اور حُکّام بھی اس بد عہدی میں مبتلا ہیں، اور اپنے علاوہ کسی کو زندگی کا حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں، قرآنی زبان میں اسے ایمان بالکتاب نہیں کہتے، اور اس کی سزا عذاب آخرت کے علاوہ دنیا کے ذلت و رسوانی بھی ہے جس میں یہودیوں کی طرح مسلمانوں کی اکثریت بھی مبتلا ہے۔

54. و ان یاتوکم اُسری: یہودیوں کے روساء غریبوں کو قتل کرتے تھے آبادی سے نکال دیتے تھے اور جب لوگ انہیں گرفتار کر لیتے تھے تو فدیہ دے کر آزاد بھی کرالیتے تھے یہ "آگ لگا کر بالٹی لے کر دوڑنے" کی پالیسی ہے جو آج بھی پائی جاتی ہے اور جسے اکثر مسلمان لیدُر اپنائے ہوئے ہیں، پہلے عوام پر ظلم کرتے ہیں اور اس کے بعد جب ظلم عام ہو جاتا ہے تو اظہار ہمدردی کرنے لگتے ہیں تاکہ لوگوں کی توجہ ان کے مظالم کی طرف سے ہٹ جائے اور وہ قوم کے ہمدرد کہے جانے لگیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

55. خواہش نفس انسانی زندگی کی وہ بلا ہے جس سے انسان چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتا، بلکہ جس قدر قانون الہی سے دور تر ہوتا جاتا ہے خواہشات میں مزید گرفتار ہوتا جاتا ہے، یہ خواہش غریبوں کو گمراہ کرتی ہے اور رئیسوں کو قاتلِ انبیاء تک بنا دیتی ہے، اور انسان اس کے پیچھے دیدہ و دانستہ حقائق کا انکار کر دیتا ہے، جیسا کہ تاریخ اسلام میں اقوال پیغمبر 1 کی مخالفت اور ائمہ معصومین E کے قتل کے پس منظر میں دیکھا گیا ہے کہ انسان اپنی مرضی کے خلاف کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

56. پیغمبر اسلام 1 کے آنے سے پہلے یہودی اپنی کتاب کی بنا پر اپنے دشمنوں سے کہتے تھے کہ محمد آگئے تو تم سب کا قلع قمع ہو جائے گا لیکن جب وہ آگئے تو ان کا بھی انکار کر دیا، یہ درحقیقت اپنے نفس کا بدترین سودا ہے کہ انسان چند دن کے راحت و آرام کے لیے ابدی عذاب اختیار کر لے۔

57. جن یہودیوں کو مخاطب بنایا گیا ہے وہ گذشتہ دور کے انبیاء کے قاتل ان کے باپ دادا تھے لیکن چونکہ سب کا فلسفہ ایک ہی تھا اور اولاد اپنے بزرگوں کے طرز عمل سے راضی تھی لہذا اسے بھی قاتل فرض کیا گیا ہے جو اسلام کا کھلا ہوا قانون ہے کہ کسی کے بھی عمل سے راضی ہونے والا اس کے عمل میں برابر کا شریک سمجھا جاتا ہے اسلامی روایات میں آئمہ معصومین کے قاتلوں سے اتفاق رائے رکھنے والوں اور ان کے اعمال کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے والوں کو بھی انہی آیات کی روشنی میں ملعون قرار دیا گیا ہے۔

58. جب باطل دل کی گھرائیوں میں اتر جاتا ہے تو نہ نبی و رسول کی بات کا اثر ہوتا ہے نہ ظاہری عذاب کا یہودیوں نے زبان سے اقرار کر لیا لیکن دل میں نافرمانی کی ٹھانے رہے، جو تمام مصلحت پرست مسلمانوں کا بھی طریقہ کار ہے اور اس کا اظہار پیغمبر اسلام (ص) کے بعد ہوا، قرآن مجید نے اس ایمان کو بد ترین ایمان قرار دیا ہے۔

59. تمنائی موت اللہ کی محبت اور آخرت پر ایمان کا بہترین نمونہ ہے یہ درحقیقت لقائے الہی اور حصول آخرت کا ذریعہ ہے اب اگر کوئی واقعی اللہ کا دوست ہے تو وہاں تک پہنچنے کے لیے خودکشی نہیں کرسکتا کیونکہ خودکشی محبوب کی مرضی کے خلاف ہے اور اس راستے سے محبوب کے ملاقات نہیں ہو سکتی یہی حال آخرت پر ایمان کا ہے کہ موت وہاں تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے جو آخرت کی نعمتوں کا یقین رکھتا ہے وہ موت کے لئے بے قرار رہتا ہے، درحقیقت ان آیات کے ذریعے ان مومنین کا بھی امتحان ہوتا رہتا ہے جو یہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ ہماری جنت یقینی ہے اور پھر موت سے گھبراتے ہیں۔

60. جبرائیل نے کوہ طور کو بلند کیا تھا اور وہی قرآن مجید بھی لے آئے تو یہودی ان کے دشمن ہو گئے، قرآن مجید نے اس سلسلے میں ایک مستقل معیار بیان کر دیا ہے کہ جو شخص بھی دوسرے کا پیغام پہنچاتا ہے اس کا دشمن اصل میں صاحب پیغام کا دشمن ہوتا ہے، کاش مبلغینِ اسلام کی مخالفت کرنے والے بھی اپنے اختلاف کی حقیقت کو سمجھتے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتے۔

61. جناب سلیمان کے بعد شیاطین نے کچھ جادو کے کاغذات بنا کر ان کے تخت کے نیچے دفن کر دیے اور بعد میں مجمع عام میں نکال کر لوگوں کو دکھلایا کہ سلیمان اسی جادو کے زور پر مخلوقات پر حکومت کیا کرتے تھے اور قوم کے احمق افراد ان کے چکر میں آگئے، یہی صورتحال بعینہ بعد رسول روایات وضع کرنے والوں کی تھی کہ اپنی خود ساختہ روایات کو رسول کی طرف منسوب کر کے عوام کو دھوکا دینے لگے اور نبی 1 کے خلاف نبی 1 کے نام پر محاذ قائم کرنے لگے۔

62. مسلمان جب آیات کو فی الفور نہیں سمجھ پاتے تھے تو گذارش کرتے تھے کہ سرکار ہماری رعایت کریں اور اس کے لیے "راعنا" کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کے معنی "ہمارے چروابے" کے بھی ہوتے ہیں یہودیوں نے اس طریقے کو غنیمت سمجھا اور پیغمبر اسلام 1 کو اسی لفظ سے مخاطب کرنے لگے پوردگار عالم نے مسلمانوں کا لہجہ بدلا دیا کہ یہودی فائدہ نہ اٹھانے پائیں اس اندازی سے اسلام کی سیاسی حکمت عملی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دشمن جس طریقہ کار سے فائدہ اٹھانے لگے اسی مصلحت اسلام کے مطابق تبدیل کر دیا جائے اور انہیں استحصال کا موقع نہ دیا جائے۔

63. مساجد کی آبادی سے روکنے کے مختلف طریقے آج بھی رائج ہیں نماز کا استخفاف کرنا نمازيوں کا مذاق اڑانا سماج میں نمازيوں کو پست درجہ دینا، متولی مسجد بن کر مالکانہ تصرفات شروع کر دینا، مسجدوں میں بلا سبب قفل ڈال دینا، امکانات کے باوجود صحیح انتظامات نہ کرنا، مسجدوں کو ایسی بدترین حالت میں رکھنا کے باعزت آدمی داخل ہوتے ہوئے گھبرائے وغیرہ مسلمانوں کو ان تمام کافرانہ طریقوں سے پریبیز کرنا چاہیے۔

64. مسلمانوں کے اطمینان کا نسخہ ہے کہ اگر مسجدوں پر قبضہ بھی ہو جائے تو پریشان نہ ہوں مشرق و مغرب سب خدا کے لئے ہے جہاں چاہیں عبادت کریں خدا دیکھ رہا ہے اسلام کی عبادت جگہ کی پابند نہیں ہے اسکا خدا لامکان ہے۔

65. یہودی ذہنیت یہ ہے کہ عظمت کردار سے نہیں ہے بلکہ رشتہ داری سے ہے لہذا اپنے درمیان خدا کا بیٹا بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اسلام اس تصور کو مٹانا چاہتا ہے کہ خدا قادر ہے وہ لاکھ بیٹے پیدا کر سکتا ہے لیکن وہ ان باتوں سے بے نیاز ہے اور وہ ان رابطوں کو قربت کا معیار نہیں بننے دینا چاہتا۔

66. یہودیوں کی طرح مشرکین بھی خدا سے اپنے مطالبات منوانا چاہتے ہیں ان احمدقوں کے پاس بھی اتنی عقل نہیں ہے کہ خدا حاکم کا نام ہے محاکوم کا نام نہیں ہے لہذا انھیں اس کے احکامات پر عمل کرنا ہوگا وہ ان کے مطالبات پر عمل نہیں کرے گا۔

67. دنیا میں ہر کام کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے عقائد سے بہتر کسی کے عقائد کو نہیں سمجھتی اور سب کو اپنا ہی ہمخیال دیکھنا چاہتی ہے رب العالمین نے اس طرز فکر کا ایک ہی جواب دیا ہے کہ ہدایت خدا کی طرف سے ہے جس عقیدت کا خدائی ہونا ثابت ہوجائے وہ صحیح ہے ورنہ سب محمد ہے پھر خواہشات کے تباہ سے روکنے کے لیے بھی رسول کو مخاطب بنایا تاکہ مسئلے کی سنگینی کا اندازہ ہو سکے ورنہ رسول کے یہاں ان باتوں کا کوئی امکان نہیں ہے لیکن جب ان سے گفتگو کی جاری ہے تو غیروں کا کیا ذکر ہے۔

68. یاد ریے کہ جب ابراہیم کی اولاد کے بے عمل اور ظالم امام اور قائد نہیں ہو سکتے تو دوسرے خاندانوں اور ساتھیوں کا کیا ذکر ہے قیادت امت کے لیے کردار شرط اول ہے۔

69. یہ تعلیم ہے کہ انسان کو اپنے بہترین عمل پر بھی ناز نہ کرنا چاہیے بلکہ پروردگار سے قبول کرلینے کی التماس کرنی چاہیے کہ اصل کام عمل نہیں ہے اصل قبولیت عمل ہے۔

70. و تُب علینا: خاصان خدا کو بہترین عمل کے بعد بھی یہ فکر ریتی ہے کہ پروردگار کے شایان شان عمل ہوا یا نہیں اور وہ اس کوتاہی کی معذرت کرتے رہتے ہیں ورنہ تعمیر کعبہ کوئی گناہ نہیں ہے کہ اس کی توبہ کی جائی اور یہیں سے معصومین[ؐ] کے توبہ و استغفار کا فلسفہ بھی سامنے آتا ہے۔

71. جناب ابراہیم B کو اپنی اولاد کے اسلام و ایمان اور ان کے درمیان بادی و رینما کی فکر ہے کہ ہر صاحب ایمان کو اپنی اولاد کے بارے میں اس طرح کی فکر ہونی چاہیے اور فقط فکر نہیں بلکہ اس کی وصیت بھی کرنا چاہئے جو اسلام کی عظیم ترین تعلیم ہے۔

72. بے دینوں کا خیال ہوتا ہے کہ وہ کوئی عقلمندی کا کام کر رہے ہیں اور اسی لیے دانش کو دین کے مقابلے میں استعمال کرتے ہیں اور قرآن واضح کر رہا ہے کہ دین کو چھوٹنے کے بعد سفاقت و حماقت ہی باہم آتی ہے عقل و دانش نہیں۔

73. جناب ابراہیم B کا اسلام کلمہ پڑھنے کا اسلام نہیں ہے یہ سپردگی اور تسلیم کا اسلام ہے اور اسی کی فکر انھیں اپنی اولاد کے بارے میں بھی ہے اور اسی لئے ایک امت مسلمہ کی دعا کی ہے ورنہ ہر انسان اپنی ساری اولاد کو کلمہ گو دیکھنا چاہتا ہے۔

74. انسان کو وقت آخر تک اپنی اولاد کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ان کا دین کیا ہے اور مستقبل میں ان کے عزائم کیا ہیں کاش امت قرآن کے ان نکات اور تعلیمات کی طرف متوجہ ہوتی اور انھیں کو نمونہ عمل قرار دیتی۔

75. ایک بالایمان انسان کا فرض ہے کہ تمام انبیائے خدا پر ایمان لے آئے اور ان میں تفریقا نہ کرے کہ یہ اسلام کی طرف سے بہترین دعوت حق ہے کہ جس طرح ہم تمہارے انبیاء کو تسلیم کرتے ہیں تم بھی ہمارے نبی پر ایمان لے آؤ یہ سب خدا کے نمائندے ہیں اور ان میں کوئی خاص نہیں ہے۔

76. صبغة اللہ: مختلف اقوام میں دین و مذہب رنگ سے پہچانا جاتا تھا اس لیے اسلام نے واضح کر دیا کہ لال پیلے ہر میں کچھ نہیں رکھا ہے اسلام وایمان خود ایک رنگ ہے جس میں ہر مسلمان کو ڈوب جانا چاہیے اور اس کا رنگ اظہار عبادت الہی سے ہوتا ہے جس کے بغیر اسلام کا دعوی ہے رنگ ہے۔

77. اسلاف کے کارناموں پر فخر کرنا اور ان کے کردار کی بلندی کی بیساکھیوں پر خود کو بلند کرنے کی کوشش کرنا بیکار ہے کیونکہ جو جیسا کرتے گا اسے ویسا ہی نتیجہ بھی ہاتھ آئے گا۔

دوسرے پارٹ کے چیزیں نکات

(سورہ البقرہ)

1. آیت ۱۲۲: یہودیوں کی سازشوں کو بے پرده کرنے کے لئے قبلے کی تبدیلی..... کائنات کی ہر چیز خدا کے لئے ہے اور کعبہ اور بیت المقدس بذات خود کسی اہمیت کے حامل نہیں ہیں بلکہ یہ خدا کی ذات ہے کہ جس نے اہمیت عطا کی ہے [15]۔

2. آیت ۱۲۳: امت وسط: بعض بزرگ مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آیت میں امت وسط سے مراد امت اسلامی کا ایک خاص گروہ ہے یعنی ائمہ اطہار علیہم السلام، اس آیت کے ذیل میں امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے: لوگوں کے گواہ سوائے پیغمبر اور ائمہ کے کوئی اور نہیں ہے اور یہ بات کسی طور معقول نہیں ہے کہ اس سے مراد تمام امت اسلامی ہو، اور خدا ان سے گواہی طلب کرتے، کیونکہ امت میں تو کچھ ایسے بھی ہیں کہ جن کی گواہی سبزی کی ایک گٹھری، یا مکھی کے پر کے برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی [16]۔

3. آیت ۱۲۶: گذشتہ آسمانی کتابوں میں پیغمبر اسلام کی خصوصیات کا ذکر کہ جسے یہودی چھپاتے تھے [17]۔

4. آیت ۱۵۰: اتمام نعمت کا تحقق خلافت بلافصل علی علیہ السلام میں: بعض مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ پروردگار نے اس آیت میں مسلمانوں کو اس بات کا وعدہ دیا ہے کہ اپنی نعمت کو ان پر تمام کرتے گا اور اس کا عملی نمونہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر تین میں پیش فرمایا ہے جیسا کہ اکثر علماء نے بیان کیا ہے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ غدیر خم میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کے ہاتھوں حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی پر فائز ہوئے کے بعد نازل ہوئی [18]۔

5. آیت ۱۵۲: یاد خدا اور اسکے شکر کی فضیلت و حقیقت: یاد خدا سے مراد فقط اس کا زبانی ذکر نہیں ہے بلکہ ذکر خدا دل و جان کی عبادت ہے اور اگر زبانی ذکر دل سے نہ ہو تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا، جاننا چاہیے کہ خدا کی حقیقی یاد انسان کے عمل سے نمایاں ہوتی ہے جیسا کہ ایک روایت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم سے منقول ہے: جس نے خدا کی اطاعت کی گویا اس نے خدا کو یاد کیا چاہے اس کا نماز، روزہ اور تلاوت قرآن کم ہی کیوں نہ ہو لیکن جس نے خدا کی نافرمانی کی اس نے خدا کو فراموش کر دیا ہے چاہے اس کا نماز روزہ اور تلاوت قرآن زیادہ ہی کیوں نہ ہو [19]۔

6. آیت ۱۵۵: صبر کرنے والے سربلند ہیں: اس آیت کے مطابق پروردگار ہمیشہ ہی انسان کو مختلف طریقوں سے

آزماتا رہتا ہے اور اس امتحان میں قبول ہونے والے افراد فقط صبر کرنے والے ہیں جو مصائب و مشکلات میں بس یہی کلمہ دھراتے رہتے ہیں کہ ہم تو خدا ہی کے لیے ہیں اور خدا ہی کے جانب پلٹ کر جائیں گے واضح رہے کہ کہ اس سے مراد صرف زبانی کہنا نہیں ہے بلکہ اس جملے پر دل سے اعتقاد رکھنا ضروری ہے اس سلسلے میں کے صبر اور انا لله وانا الیہ راجعون کا آپس میں کیا ربط موجود ہے بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ انسان کا وجود اور اس کی تمام ملکیت؛ مال و دولت بچے استقلال نہیں رکھتے ہیں اور خدا کے ارادت کی وجہ سے اور اس کی خواہش کے مطابق موجود ہوئے ہیں اور خدا ہی انسان کا حقیقی مالک اور اس کی ملکیت کا مالک ہے اگرچہ خدا نے ظاہراً انسان کو ان چیزوں کا مالک بنادیا ہے لیکن یہ مالکیت نسبی ہے اور یہی مالکیت ظاہری اور نسبی دوبارہ انسان سے لے لی جائے گی اور انسان بغیر اس کے کہ کسی چیز کا مالک رہے گا خدا کی طرف خالی ہاتھوں واپس پلٹ جائے گا، امیرالمؤمنین سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا : جو ہم کہتے ہیں "ان لله" اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہی حقیقی فرمانروا ہے اور ہم اس کے مملوک ہیں اور یہ جملہ کہ جو ہم کہتے ہیں "انا الیہ راجعون" یہ اس بات کا اقرار ہے کہ ہم ایک دن منے والے ہیں [20].

7. آیت ۱۶۰: پروردگار کا انسان کی توبہ کو قبول کرنا: سوائے اس آیت کے قرآن مجید میں کہیں پر بھی پروردگار نے توبہ کے لئے اپنی زبان سے اسے اپنی جانب نسبت دیتے ہوئے کوئی گفتگو نہیں کی اور کہیں بھی "انا التّوَّابُ الرَّحِيمُ" نہیں کہا اور یہ چیز خدا کے لطف و کرم کو توبہ کرنے والے کے لئے بیان کرتا ہے کہ جس نے اپنے ماضی کی اصلاح کر لی ہے اور مستقبل میں اپنی اصلاح پر باقی رہنے کا عزم مصمم کر لیا ہے اسکے لیے خدا تواب و رحیم ہے، اس آیت میں خدا نے اپنے آپ کو دو صفات سے یاد کیا ہے ایک تواب اور دوسرے رحیم جو اس خصوصیت کو اپنے کمال تک پہنچاتی ہے ایک روایت میں امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے: پروردگار کی خوشی آپ نے توبہ کرنے والے بندے کے لئے اس خوشی سے بڑھ کے ہوتی ہے کہ جب رات کے اندھیرے میں کوئی اپنا سامان سفر گم کر دے اور اچانک سے پھر وہاں سے پالے [21].

8. آیت ۲۷: شرائط ریبری: علم و قدرت ہے حسب و نسب، مال و ثروت نہیں۔!!!!!!
ترتیب و تدوین: سیدلیاقت علی (حوزہ نیوز)